منصبِ افتاء اور مفتی کی ذمہ داریاں (۴)

تحریر : محمد المکی ناصری' ترجمہ : پروفیسر نور احمد شاہتاز

مفتی سے فتویٰ حاصل کرنے کے مقاصد

جب کوئی سائل یا مستفتی کسی مفتی سے کوئی سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوتا :

۱۔ سوال کا مقصد کسی مسئلہ میں واقعتاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم معلوم کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ یہ جاننے کی کوشش کرنا کہ مفتی صاحب کا مسلک کیا ہے اور وہ کس امام کے مقلد یا پیروکار ہیں۔

۳۔ یہ معلوم کرنا کہ مفتی صاحب صورت مسئولہ میں اپنے امام مذہب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں یا اپنی رائے کو۔

پہلی صورت میں مفتی کہ ذمہ داری یہ ہے کہ اگر وہ جانتا ہو اور اسے یقین ہو کہ جو کچھ وہ جواب دے رہا ہے درست ہے' تو وہ سائل یا مستفتی کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے جواب دے' کہ اس کے بغیر اس کے پاس چارۂ کار نہیں۔

دوسری صورت میں مفتی کی ذمہ داری یہ ہے کہ مفتی اپنے اس امام مذہب کے قول کے مطابق فتویٰ دے جس کا کہ وہ مقلد یا پیروکار ہے اور اس بات کا اطمینان کرلے کہ جو قول وہ نقل کر رہا ہے وہ واقعی اس امام کا ہے بھی یا نہیں۔ اور یہ کہ آیا وہ قول اس امام کا واقعی مذہب مشہور ہے یا نہیں۔

تیسری صورت میں مفتی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ سائل کو ایسا جواب دے جو پوری محنت اور کوشش کے ساتھ کی گئی تحقیق کے بعد اس کے نزدیک راجح قرار پائے اور جس

کے بارے میں اسے اطمینان ہو جائے کہ یہی صحیح ترین جواب ہے۔ اب اس صورت میں یہ سائل پر لازم نہیں آئے گا کہ اس نے محض قول مفتی پر اعتماد کیا بلکہ اسے فتویٰ پر عمل کرنے میں خوشی محسوس ہو گی کہ یہ خلاصہ تحقیق ہے۔ {۳۹}

مفتی کی بصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس سے کوئی مستفتی کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں سوال کرے تو مفتی کو چاہئے کہ اگر وہ حرمت کا فتویٰ دے رہا ہو تو اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی بتا دے کہ اس کے مقابل حلال اور جائز امر کیا ہے' تا کہ جب سائل پر ممنوع و ناجائز کا دروازہ بند ہو تو ساتھ ہی جائز اور مباح کا دروازہ کھل جائے۔ ابن القیم کہتے ہیں : "اس طرح کا عمل کوئی زیرک اور شفیق عالم ہی کر سکتا ہے جسے منجانب اللہ توفیق نصیب ہو۔ اللہ اس کے نصیحت کرنے اور اس کی نصیحت پر عمل پیرا ہونے والے کو اجر عطا فرمائے"۔ علماء میں اس طرح کا عالم ایک طبیب حاذق کی مانند ہے کہ جو مریض کو ایسی اشیاء کے استعمال سے روکتا ہے جو نقصان دہ ہوں اور ایسی اشیاء کے استعمال کی ہدایت دیتا ہے جو مفید ہوں۔ {۴۰}

ابو البقاء الحسینی کہتے ہیں کہ جہاں تک علم و ارشاد کا تعلق ہے تو معلم کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ میں ایک طبیب کی مانند ہو جو مریض کو شفایاب کرنے کے سلسلہ میں سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور ایسا نسخہ اور علاج تجویز کرتا ہے جو مرض کے مطابق ہو' نہ کہ مریض کے بتانے کے موافق۔ {۴۱}

آدابِ سوال و سائل

مستفتی کو ایسی حالت میں مفتی سے سوال نہ کرنا چاہئے جب مفتی پریشان ہو' یا کسی کام کو جانے کے لئے تیار ہو' یا کسی سوچ اور خیال میں گم ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ سائل کے سوال پر پوری توجہ نہ دے پائے گا اور نہ ہی صحیح طور پر جواب دے سکے گا۔ {۴۲}

مستفتی کو کوئی ایسا مسئلہ دریافت نہ کرنا چاہئے جو فی الواقع پیش ہی نہ آیا ہو یا نادر الوقوع ہو' یا دور از کار ہو۔ اسی طرح ایک عام مستفتی کو کسی ایسی چیز کے بارے میں نہ پوچھنا چاہئے جو اس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہو۔ اور اگر وہ اس قسم کے سوالات میں

الجھے الجھائے تو مفتی کو چاہئے کہ وہ اس کے سوال سے صرف نظر(Ignore) کرے اور اسے کوئی جواب نہ دے۔ ہاں اگر مستفتی کا مقصد اس سوال سے ایسے معاملات کا علم حاصل کرنا ہو جو اسے پیش نہیں آتے مگر وہ انہیں تحصیل علم و تفقہ کی نیت سے اور اس خیال سے جاننا چاہتا ہے کہ جب کبھی اس طرح کے معاملات پیش آئیں تو پہلے ہی سے وہ جواب جانتا ہو یا اس سے ملتے جلتے مسائل پر ان جوابات کا اطلاق کر سکے تو ایسے مستفتی کو کافی و شافی جواب دیا جائے گا۔

اگر سوال کا سبب پیچیدہ مسائل یا متشابہات ہوں جس سے مستفتی کے ذہن میں شبہات نے جنم لیا ہو اور اس کا ارادہ ان شبہات کے ازالہ کا ہو جن میں اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا ہو تو اس صورت میں مفتی کو چاہئے کہ وہ انتہائی شفقت سے مستفتی کا ذہن صاف کرے اور ایسا اسلوب اختیار کرے جو مستفتی کے ذہن اور عقل کو اپیل کرے کیونکہ مخلوق خدا کی ہدایت اہل علم پر فرض ہے، جیسا کہ القرافی نے کہا ہے کہ جہاں کہیں بھی جواب کی مصلحت راجح ہو وہی اولیٰ ہے جیسا کہ ابن القیم نے بھی کہا ہے۔ {۴۳}

سوال کیسے(Put-Up)کیا جائے

اگر مستفتی پر کوئی آفت ایسی آن پڑے جس کا حل وہ شریعت کے حکم سے چاہتا ہو اور اس کے شہر میں کئی مفتی ہوں اور وہ تمام مفتیوں کے جوابات ایک ہی کاغذ پر حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ ایک بڑے سائز کا کاغذ لے جس پر تمام مفتیوں کے جوابات لکھے جا سکیں۔ پھر ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جوابات کے سلسلہ میں سب سے پہلے عمر رسیدہ اور جہاں دیدہ صاحب علم سے رجوع کرے، پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ دیگر مفتی صاحبان کے پاس اپنا سوال لے جائے۔ اور اگر وہ متعدد کاغذوں پر مختلف مفتیوں کی آراء و فتاویٰ حاصل کرنا چاہتا ہو تو پھر سوال کی نقول جسے چاہے پہلے بھیج دے اور جس کے پاس چاہے بعد میں لے جائے۔ البتہ کاغذ اتنا بڑا ہو کہ سوال کے بعد اس پر مفتی مکمل فتویٰ تحریر کر سکے۔

سائل یا مستفتی کو چاہئے کہ وہ اپنا سوال اس انداز سے لکھے کہ اس سے اس کا مطلب پوری طرح واضح ہو اور جس مقصد کے لئے اس نے سوال لکھا ہے وہ پورا ہو سکے۔ اسی

طرح الفاظ واضح اور جلی قلم سے لکھے ہوں۔ ان میں کوئی پیچیدگی اور ہیر پھیر نہ ہو۔ اگر سائل ایک عام سا شخص ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا سوال کسی ایسے شخص سے لکھوائے جو پڑھا لکھا ہو' تا کہ سوال خوش اسلوبی سے لکھا اور پیش کیا جا سکے۔ {۴۴}

جواب کیسے مرتّب کیا جائے

سائل کے سوال کی حدود اور حاجت کے مطابق جواب دیا جائے اور سوال کی عبارت میں کوئی اضافہ کیا جائے نہ اس کے موضوع میں۔ جواب مختلف اقوال اور اختلافات کے ذکر سے خالی ہونا چاہئے' کیونکہ مختلف اقوال ذکر کرنے سے مستفتی کے ذہن میں تشویش پیدا ہوگی اور وہ یہ نہ سمجھ سکے گا کہ کس قول پر عمل کرے---- جواب دو ٹوک' واضح اور حصول مقصد کے لئے کافی ہونا چاہئے تا کہ اس کے ساتھ کسی اور بات کی ضرورت نہ رہے۔ {۴۵} اگر مستفتی نے صرف رہنمائی کی خاطر سوال کیا ہو تو اس کے سوال کا صرف مختصر جواب ہی کافی ہو گا۔ اس کے ساتھ دلائل اور حوالہ جات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر یہ توقع ہو کہ جواب پر اعتراض یا اشکال وارد ہو گا تو پھر دلائل اور حوالہ جات جواب کے اندر ہی ذکر کرنے چاہئیں تا کہ جو کوئی حقیقت امر جاننا چاہے وہ حق اور صواب جان لے {۴۶} الصمیری نے کہا ہے : "اگر کوئی عام آدمی سائل ہو تو دلیل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی پڑھا لکھا سوال کرے تو دلیل ذکر کر دی جائے {۴۷}۔

القرافی نے کہا ہے کہ جب استفتاء کسی بڑے واقعہ سے متعلق ہو جو دین کے کسی اہم معاملہ یا مسلمانوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو تو مفتی کو چاہئے کہ وہ مفصل جواب لکھے' اور حق واضح کرنے کے لئے مبالغہ سے کام لے اور فوراً سمجھ میں آنے والے دلائل ذکر کرے تا کہ فوائد حاصل اور مفاسد دور ہوں' اور ایسے دلائل ذکر کئے جائیں جو شرعی / قانونی مفادات کو تحفظ فراہم کریں۔ مذکورہ صورت کے علاوہ اس قسم کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں {۴۸}۔

ابن القیم کہتے ہیں کہ جواب میں دلیل اور اس کے حوالہ جات کا حتی الامکان ذکر ہونا چاہئے اور مستفتی کو بالکل روکھا اور پھیکا اور بلا دلیل و حوالہ فتویٰ نہ دینا چاہئے۔ اس رائے

پر نبی اکرم ﷺ کے بعض فتاویٰ سے استدلال کیا گیا ہے {۴۹} ابن القیم کا کہنا ہے کہ مفتی کو سائل کے سوال سے زیادہ جواب دینا جائز ہے {۵۰} اور انہوں نے اس پر صحیح بخاری کے ایک ترجمۃ الباب سے استدلال کیا ہے جو حسب ذیل ہے "باب من اجاب السائل باکثر مما سال عنہ" یعنی سائل کو سوال سے زیادہ جواب دینا۔

رہا معاملہ یہ کہ جواب کیسے لکھا جائے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ جواب لکھتے وقت یہ خیال رکھا جانا ضروری ہے کہ جواب میں کسی اور کی طرف سے کسی اضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور شخص اس جواب میں اپنی طرف سے ایسا اضافہ کر دے جو اس جواب کے برعکس ہو یا گمراہ کن ہو' چنانچہ جواب کی تحریر میں نہ تو بین السطور کوئی جگہ چھوڑی جائے اور نہ کوئی نقص رہنے دیا جائے۔ اور مفتی کو ایک ہی قلم اور خط سے فتویٰ تحریر کرنا چاہئے کیونکہ خط بدلنے یا قلم بدلنے سے کسی کو فتویٰ میں جعل سازی و تزویر کا موقع مل سکتا ہے۔ خط واضح ہونا چاہئے نہ زیادہ باریک نہ زیادہ بڑا بڑا کہ پڑھنے والے کو دشواری ہو یا ناگوار گزرے۔ {۵۱}

القرافی کہتے ہیں کہ اس طرح کی احتیاطی تدابیر کرنا ضروری ہے اور کسی قسم کی بدظنی' جعل سازی وغیرہ کے راستے مسدود کرنا عمدہ اسلوب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "دَعْ مَا یُرِیبُکَ الٰی مالا یُرِیبُکَ" {۵۲}

مفتی کس قسم کا اضافہ کر سکتا ہے؟

اگر مستفتی یا سائل کا سوال ایسا عجیب ہو کہ جو غیر مانوس سا ہو تو مفتی کو یہ حق نہیں کہ وہ ایک دم سے سائل کو ٹکا سا جواب دے دے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ پہلے مقدمہ کے طور پر تمہید باندھے تا کہ سائل جواب سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی پوزیشن میں آجائے اور اس جواب پر عمل کرنے کو ذہنی طور پر تیار ہو جائے {۵۳}۔ اگر سوال کا جواب ایسا ہو کہ جس سے سائل کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مفتی کو چاہئے کہ وہ سائل کو متنبہ (خبردار) کرے تا کہ اس کا خیال اور ذہن غلط فہمی کی جانب نہ جائے۔ {۵۴} اگر سائل کے سوال میں کسی نص قرآن و سنت کا حوالہ دیا گیا ہو تو مفتی کو چاہئے کہ وہ اپنے فتویٰ میں بھی

اس نص کو نقل کرے اور جہاں تک ممکن ہو نص کے الفاظ ذکر کرے۔ کیونکہ جو نص بھی شارع کے حوالہ سے ذکر ہوئی ہوگی اس میں کسی حکم کا بیان ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں حکم اور دلیل مذکور ہوں گے جو کہ موقع کی مناسبت سے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ کسی بھی موضوع پر مذکور نص خطاء' تناقض اور اضطراب سے پاک ہوتی ہے۔ {۵۵}

اگر سائل نے کسی خاص مسئلہ کے بارے میں سوال کیا ہو اور مفتی یہ محسوس کرے کہ اس کے سوال کو مزید اہم اور سود مند بنانے کے لئے اس میں کچھ اضافہ ضروری ہے تو وہ اپنے جواب میں اس طرح اضافہ کرے کہ سائل کا سوال بھی ضمناً آ جائے اور جواب مفصل' جامع اور مفید تر ہو جائے۔ اگر اس طرح کیا جائے تو یہ فتویٰ کے کمالات میں سے اور مفتی کے ذی علم ہونے کی دلیل و علامت ہوگا۔ اسی طرح یہ اس بات کی بھی دلیل ہوگا کہ مفتی خیر خواہ ہے اور سائل کو اس نے بڑی خوش اسلوبی سے مطمئن کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو عمدہ مثال پیش کی جا سکتی ہے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو ایک سوال کو بیان کرنے کا بہترین انداز ہے۔ فرمایا: "يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ" (اے نبی ﷺ) "لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟" پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ' وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○" (اے نبی ﷺ) "آپ فرما دیجئے کہ حسن سلوک کے طور پر تم جو مال بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ' قریبی رشتہ داروں' یتیموں' محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے۔ اور تم جو نیکی کرو تو بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے"۔

انداز جواب اور اسلوب دیکھئے کہ صرف اتنا بتا دینے کی بجائے کہ مسلمان کیا خرچ کریں' وہ تمام مصارف بھی بیان کر دیئے کہ جہاں جہاں مسلمانوں کو خرچ کرنا چاہئے {۵۶} اور اس مخصوص سوال کا جواب بھی اللہ نے مختصراً اس طرح دے دیا کہ "قُلِ الْعَفْوَ" یعنی "آپ فرما دیجئے کہ جو بھی زائد از ضرورت ہو"۔ (جاری ہے)

(حواشی صفحہ ۶۴ پر ملاحظہ فرمائیے)